بات یہ ہے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ معتقدات کے معاملے میں سلف صالح کے مذہب کو ترجیح دیتے تھے ۔ اور اس کے بڑی سختی سے پابند تھے ۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو اس طرف لائیں وہ سلف صالح کے مذہب کے زبردست حامی تھے اور عقلی و نقلی دلائل سے اس کی مدافعت کرتے تھے ان کے ساتھ مصر و شام میں جو مناظرے ہوئے ان میں سے اکثر اسی مسئلے کے اردگرد گھومتے تھے ۔ الکواکب الدری کے مصنف شیخ علم الدین سے نقل کرتے ہیں کہ ۷۰۸ھ میں امام تقی الدین ابن تیمیہ کو دمشق میں ابتلاء سے دو چار ہونا پڑا ۔ اور اس کی وجہ آپ کا صفات خداوندی کے معاملے میں متکلمین کے مذہب پر سلف کے مذہب کو ترجیح دینا تھا ۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے آپ ستاروں اور افلاک کی تاثیر کا انکار کر چکے تھے اور نجومیوں کا گروہ آپ سے بگڑا ہوا تھا ۔ اسی دوران میں مصر و شام میں آپ کے ساتھ مناظرے ہوئے ۔ جن کی بنا پر وہ شام اور مصر دونوں ملکوں میں یکے بعد دیگرے قید کئے گئے ۔ الکواکب الدریہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب امام صاحب مصر میں قید کئے گئے تو علمی و دینی مصروفیتوں کے اعتبار سے ان کی یہ قید زاویوں، خانقاہوں اور مدارس سے کہیں بہتر ثابت ہوئی ۔ وہاں کے بہت سے قیدی رہا ہونے کے بعد یہی چاہتے تھے کہ انہیں پھر قید خانے میں واپس بھیج دیا جائے ۔ امام صاحب کے پاس قید خانے میں لوگ اس کثرت سے آتے تھے کہ قید خانہ ان سے بھر جاتا ۔

جب امام صاحب کو دمشق کے قلعہ میں قید کر دینے کا حکم ہوا، تو آپ نے اس پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں تو اس کا انتظار ہی کر رہا تھا ۔ اس میں بڑی بھلائی ہے ۔ آپ کے شاگرد اور آپ کے علوم کے وارث علامہ ابن قیم الجوزیہ سے جو آپ کے ساتھ ہی قلعہ دمشق میں محبوس کئے گئے تھے، منقول ہے کہ امام صاحب نے فرمایا ۔ میرے دشمن میرے خلاف کیا کر سکتے ہیں ۔ میری جنت اور میرے گل و گلزار میرے سینے میں ہیں، جہاں بھی میں جاؤں گا، وہ میرے ساتھ ہوں گے اور مجھ سے جدا نہیں ہو سکیں گے ۔ میری قید میرے لئے خلوت ہے ۔ اور میرا قتل شہادت، اور مجھے اپنے شہر سے نکالنا میرے لئے سیاحت ہے ۔ علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ امام صاحب قلعہ میں دوران حبس فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اس قلعہ کے برابر سونا خرچ کروں تو اس نعمت کا جو مجھے یہاں میسر ہوئی ہے بدل نہیں ہو سکتا ۔ ایک دفعہ امام صاحب نے مجھ سے فرمایا اصل محبوس وہ ہے

جس کا دل اپنے رب سے حبس میں ہوں۔ اور اصل اسیر وہ ہے، جسے اس کی خواہشات نے اسیر کر رکھا ہو۔
جب آپ قید کر کے قلعہ میں لائے گئے اور آپ قلعے کی فصیل کے اندر پہنچے تو اس کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی "فضرب بینهم بسور له باب باطنه فیه الرحمة وظاهره من قبله العذاب[1]"
اللہ جانتا ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کو تنگی تھی اور آرام و آسائش سے محروم تھے، میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کو آرام میں نہیں دیکھا۔ اور باوصف اس کے کہ آپ قید کر دیئے گئے تھے۔ آپ کو دھمکیاں دی جاتی تھیں اور آپ کے خلاف الزامات تراشے گئے تھے، آپ سے بڑھ کر میں نے کسی کو زندگی میں مطمئن، زیادہ انشراحِ صدر والا، زیادہ دل کا مضبوط اور مسرور نہیں دیکھا۔ آپ کے چہرے پر تازگی و بشاشت نمایاں تھی۔ جب کبھی ہم پر خوف طاری ہوتا، ہمیں طرح طرح کے خیالات آتے اور ہم پر فضا تنگ ہونے لگتی تو ہم آپ کے پاس آتے اور جیسے ہی آپ کو دیکھتے آپ کی باتیں سنتے تو ہماری ساری پریشانی دور ہو جاتی۔ اور اس کی جگہ ہمیں انشراحِ صدر اور یقین و اطمینان کی نعمت حاصل ہو جاتی۔

آپ آخری بار دمشق کے قلعہ میں ۶ شعبان ۷۲۶ھ کو قید کئے گئے۔ اور ۷۲۸ھ ذی القعدہ کے آخری ہفتے میں آپ کا وہاں حبس ہی میں انتقال ہوا، آپ کا جنازہ جامع اموی میں لایا گیا۔ اور وہیں نماز جنازہ ادا ہوئی بیان کیا جاتا ہے کہ پورا دمشق جنازے کی نماز میں شریک ہونے کے لئے ٹوٹ پڑا تھا۔ اس دن بازار بند تھے اور ہر مرد عورت، امیر غریب اور بڑے چھوٹے سب امام صاحب کے جنازے میں شامل تھے، اتنا بڑا اجتماع دمشق کی تاریخ میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔

---

[1] (ترجمہ) پھر کھڑی کر دی جائے ان کے بیچ میں ایک دیوار، جس میں ہوگا دروازہ، اس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب۔

تصوف کی ایک بنیادی کتاب — عوارف المعارف

الطافہ جاوید ۔ کراچی

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" تصوف کی بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے ۔ اور سالکین طریقت کے لئے اس کا پڑھنا ہمیشہ سے ضروری سمجھا جاتا رہا ہے ۔ اکثر مشائخ اپنے مریدوں اور منتسبین کو یہ کتاب سبقاً سبقاً پڑھایا کرتے تھے ۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک پنجابی شاگرد اور مرید کو جو سند دی ہے، اس میں آپ لکھتے ہیں :۔ "وقرأ علیّ کتاب عوارف المعارف فی التصوف من اولہ الی آخرہ، وطرفاً من اول احیاء علوم الدین وغیر ذلک"[1] سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء نے حضرت بابا فرید شکر گنج سے عوارف المعارف کے چند باب پڑھے تھے اور حضرت بابا صاحب کو اس کتاب سے بڑا شغف تھا۔[2] حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت

---

[1] ترجمہ ۔ انہوں نے مجھ سے تصوف کے باب میں اول سے لے کر آخر تک عوارف المعارف اور احیاء العلوم کا شروع کا کچھ حصہ پڑھا ۔

[2] حضرت بابا فرید کو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے بڑی عقیدت تھی ۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف عوارف المعارف ہر وقت پیش نظر رہتی تھی ۔ اور اسے درس کے طور پر پڑھاتے تھے ۔ حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ آپ کے پڑھانے میں یہ اثر تھا کہ سننے والے کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے ۔ میں نے اس کتاب کے پانچ ابواب آپ ہی سے پڑھے اور آپ کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی بے خودی طاری ہو جایا کرتی کہ اگر ایسی حالت میں موت آجاتی تو ایک بڑی دولت ملتی ۔ (حضرت بہاء الدین زکریا از مولانا نور احمد خاں فریدی)

عربی زبان میں عوارف کی شرح کی جو ۳ رمحرم ۸۱۸ھ کو مکمل ہوئی[1]

مشہور چشتی بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی متوفی ۹۴۴ھ نے بھی عوارف المعارف کی عربی میں شرح لکھی ہے، جس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں :- خود حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ابتداً عوارف کا نسخہ میرے حجرے میں برکت کے لئے رکھا رہتا تھا۔ اور مجھے اس موضوع میں کوئی دخل نہ تھا۔ لیکن پھر میرا شغف یہاں تک پہنچا کہ میں نے عوارف کی شرح عربی میں لکھی[2]

اس کے بعد اور بھی بہت سے لوگوں نے عوارف کی عربی اور فارسی میں شرحیں لکھیں اور اس کے خلاصے ترتیب دیئے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے تعلیقات عوارف میں عوارف المعارف کے بعض رموز کی شرح و توضیح فرمائی۔ اس موضوع پر ایک عمدہ رسالہ ہے[3]

عوارف کا فارسی میں سب سے پہلا ترجمہ ۷۱۰ھ میں کیا گیا۔ ترکی میں امیر تیمور کے فرزند سلطان شاہ رخ کے عہد میں پہلی بار اس کا ترجمہ ہوا، عوارف کا اردو ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۸۹۱ء میں مطبع نول کشور نے شائع کیا۔

عوارف المعارف کی اس غیر معمولی اہمیت، مقبولیت اور شہرت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ علم تصوف، اس سے متعلق جملہ مسائل اور تصوف نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے زمانے میں ایک مخصوص خانقاہی نظام کی جو شکل اختیار کر لی تھی، اس کے فرائض و آداب پر مشتمل ایک جامع تصنیف ہے۔ اور اس میں وہ سب باتیں آگئی ہیں، جو ایک سالک راہِ طریقت کے ساتھ ساتھ ایک صاحب ارشاد شیخِ طریقت کو جاننی چاہئیں۔ دوسرے شیخ شہاب الدین[4] سہروردی کا وہ زمانہ ہے جب حجۃ الاسلام

---

[1] عوارف المعارف (اردو ترجمہ از سید رشید احمد ارشد)

[2] شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات　　　[3] حیات مجدد از پروفیسر محمد فرمان

[4] شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرشد شیخ ابوالنجیب ضیاء الدین سہروردی جو آپ کے چچا بھی تھے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کے برادر حقیقی عالم باعمل احمد غزالی کے صحبت یافتہ اور مرید تھے۔

امام محمد غزالی کے زیر اثر تصوف شریعت سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی طرف مائل تھا۔ اسی لئے تصوف کا مذاق رکھنے والے اہل شرع کے حلقوں میں اس کتاب کی قدر ہوئی اور اسے پڑھا اور پڑھایا جانے لگا۔ ؎

صاحب عوارف المعارف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی ولادت خزینۃ الاصفیا کے مصنف کے نزدیک ۵۴۲ھ میں اور رحلت ۶۳۲ھ ہوئی۔ یہ بغداد کی شان و شوکت اور اس کی علمی عظمت کے آخری ایام تھے (۶۵۵ھ میں بغداد پر ہلاکو حملہ آور ہوا تھا) اس دور میں عباسی خلفا، سلجوقی سلاطین کے اقتدار سے آزاد ہو گئے تھے اور بغداد میں صرف انہی کا سکہ چلتا تھا۔ ان میں سے بعض خلفا بڑے اچھے بھی تھے۔ ابن اثیر مستضی (۵۶۶ھ۔ ۵۷۵ھ) کے متعلق لکھتا ہے۔ عادل اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا... اس کے زمانے میں ملک کو اس قدر امن و سکون اور راحت و طمانیت حاصل تھی، جس کی مثال نہیں ملتی... رعایا کے لئے اس کا زمانہ ہر روز عید اور ہر شب شب برات تھی (خلافت عباسیہ از شاہ معین الدین احمد ندوی)۔ مستضی کے بعد ناصر لدین اللہ (۵۷۵ھ۔ ۶۲۳ھ) خلیفہ ہوا۔ اس کا ۴۷ سال کا یہ عہد حکومت بغداد کے لئے امن و اماں اور خوش حالی کا زمانہ تھا۔ اس نے رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے بہت کچھ کیا ابن طقطقی کا بیان ہے کہ اس کے کار خیر اور اوقاف حد شمار

؎ شیخ شہاب الدین سہروردی اپنی کتاب "اعلام الھدیٰ" میں لکھتے ہیں:۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اولیاء اللہ ہیں، جن سے کرامات صادر ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر ایک رسول کے زمانے میں ان کے تابعین ہوتے تھے، جن سے کرامات اور خوارق عادت ظاہر ہوا کرتے تھے۔ اولیاء کی کرامات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا نتیجہ ہیں، لیکن جو شخص کہ احکام شرعیہ کا ملتزم نہیں۔ اور اس کے ہاتھ پر خوارق عادت کا ظہور ہوا، تو ہمارے اعتقاد میں وہ شخص زندیق اور بے دین ہے۔ اور جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا ہے، وہ مکر و استدراج ہے۔

(حضرت بہاء الدین زکریا از مولانا نور احمد فریدی)

سے باہر ہیں۔ اس نے بکثرت مسجدیں، خانقاہیں اور مسافرخانے بنوائے[1] اس خلیفہ ناصر سے شیخ شہاب الدین کے بڑے گہرے تعلقات تھے اور آپ کو وہ اکثر دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے پاس اپنا سفیر بناکر بھیجا کرتا تھا[2]

شیخ شہاب الدین اگرچہ شمالی ایران کے شہر سہرورد میں پیدا ہوئے، لیکن وہ بچپن ہی میں اپنے چچا شیخ ابوالنجیب کے پاس بغداد آگئے تھے، جہاں ان کی دریائے دجلہ کے کنارے ایک بڑی خانقاہ تھی۔ اس کے علاوہ شیخ ابوالنجیب بغداد کے مشہور واعظ بھی تھے اور ایک عرصہ دراز تک بغداد کی مشہور جامعہ نظامیہ کی مسند درس و وعظ پر فائز رہ چکے تھے۔ آپ نے احادیث نبوی کے ذریعہ تصوف کے اصول اور اس کے اسرار و رموز کو ثابت کیا[3]۔ آپ کا ۵۶۳ھ میں انتقال ہوا، اور آپ کی خانقاہ اور مسند ارشاد و طریقت شیخ شہاب الدین کو ملی۔

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف مفتی غلام سرور لاہوری شیخ شہاب الدین کے متعلق لکھتے ہیں کہ "مے در وقت خود قطب الوقت و شیخ الشیوخ بغداد بود و ارباب طریقت از بلاد دور و نزدیک استفتائے مسائل طریقت از وے کردندے۔" خزینۃ الاصفیاء ہی میں مذکور ہے کہ آپ ۱۷ سال کی عمر میں علوم صرف و نحو و منطق و معانی و فقہ و حدیث میں فاضل و کامل ہوگئے تھے اور باوجود اپنے عم محترم شیخ ابوالنجیب کے اصرار کے کہ اب علم کلام کو چھوڑ کر وہ علم طریقت سے بہرہ ور ہوں، شیخ شہاب الدین کو علم کلام کا اس قدر اشتیاق تھا کہ وہ شب و روز اس کی تحصیل میں مستغرق رہتے تھے۔ آخر عم محترم انہی حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں لے گئے۔ اور ان کی توجہ سے موصوف از علوم ظاہری دست بردار شدہ بدل و جان تحصیل باطنی پرداخت۔"

---

[1] خلافت عباسیہ از شاہ معین الدین احمد ندوی۔ البتہ ابن اثیر نے ناصر کی کافی مذمت کی ہے

[2] عوارف المعارف اردو ترجمہ از سید رشید احمد ارشد۔

[3] " " " " "

شیخ شہاب الدین کی بہت بڑی خانقاہ[۱] تھی، جہاں کثیر مقدار میں نذرانے آتے تھے۔ اور آپ انہیں درویشوں اور مستحقوں میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ ہر سال حج کو تشریف لے جاتے اور فرائض حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں حاضری دیتے، زندگی بھر آپ کا یہی معمول رہا، آپ نے تقریباً نوے سال کی عمر پائی، حضرت بہاء الدین زکریا ملتان والے آپ ہی کے مرید تھے، اور انہی کے ذریعہ ہندوستان میں سہروردی طریقے کی تو سیع ہوئی۔

عوارف المعارف کافی ضخیم کتاب ہے۔ حال ہی میں اس کا حافظ سید رشید احمد ارشد صاحب کا کیا ہوا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اس کی مدد سے کتاب کے مندرجات کے چند اہم نکات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

علمائے تفسیر، محدثین اور فقہاء نے کتاب و سنت کے ذریعہ مذہبی علوم کا احاطہ کرلیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ صوفیہ کرام کے قلوب اسرار الٰہی کے محافظ ہیں، کیونکہ انھوں نے تقویٰ کی بنیاد کو مضبوط کرنے کے بعد دنیا سے کنارہ کشی کی ہے۔ تقویٰ کے ذریعہ ان کا نفس پاکیزہ بنا ہے اور زہد کے ذریعہ ان کے دل صاف ہوئے ہیں۔

علم و ہدایت کا پہلا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ آپؐ نے علم و ہدایت کا فیض خدائی سرچشمہ سے حاصل کیا۔ اور آپ کا ظاہر و باطن اس سے پوری طرح سیراب ہوگیا۔ آپ کی ظاہری سیرابی سے دین کا ظہور ہوا۔ دین، اطاعت و تواضع کے مرادف ہے، یہ دون سے مشتق ہے اور جو چیز پست ہو، وہ دون

۱؎ یوں تو اہل تصوف طریقت کی تاریخ کا آغاز رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کرتے ہیں لیکن صوفیہ کے ہاں خانقاہ یا زاویہ بحیثیت ایک مستقل "انسٹی ٹیوشن" کے کب وجود میں آیا۔ اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ مولانا شبلی نے "الغزالی" میں لکھا ہے:۔ "فخر الملک کی وفات (۵۰۰ ھ) کے تھوڑے ہی دن بعد امام صاحب نے عہدہ تدریس سے کنارہ کشی کرکے طوس میں خانہ نشینی اختیار کی۔ گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں مرتے دم تک ظاہری اور باطنی دونوں علموں کی تلقین کرتے رہے۔" شیخ شہاب الدین نے اہل خانقاہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اہل صفہ سے مشابہت دی ہے۔ پروفیسر ڈی اولیری لکھتا ہے:۔

خانقاہی اداروں کے آثار دمشق میں تقریباً ۱۵۰ھ میں ملتے ہیں اور خراسان میں ۵۰ سال بعد (فلسفۂ اسلام)

ہے۔ لہٰذا دین کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے پست کردے (جھکا دے)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ مذہبی بصیرت سے بہتر کوئی عبادت نہیں ہے اور شیطان کے لئے ایک صاحب بصیرت ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔ ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے۔ اور اس مذہب کا ستون مذہبی بصیرت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ بہترین عبادت مذہبی بصیرت ہے۔

علم و ہدایت کا دار و مدار طینت کی پاکیزگی پر ہے۔ آدمی جس قدر پاک طینت ہوگا، اسی قدر وہ علم و ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت رکھے گا۔ چونکہ صوفیہ کے قلوب زیادہ پاک ہیں، اس لئے انہیں علم و ہدایت کا بڑا حصہ ملا۔ اور ان کے باطن علم و ہدایت کے تالاب بن گئے۔ انہوں نے خود علم سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا صوفی سے ہماری مراد مقرب بارگاہ سے ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں صوفی کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ مقرب کہا گیا ہے بہرحال الفاظ سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ صوفیہ سے ہماری مراد مقربین سے ہے۔ خدا کے نیک بندوں میں سے جو مقربینِ الٰہی کے مقام تک پہنچنا چاہے، وہ اس وقت تک متصوف کہلائے گا، جب تک وہ صاحبِ حال نہیں ہوتا۔ جب اس کے صاحب حال ہونے کی تصدیق ہو جائے گی تو وہ صوفی کہلائے گا۔

کتاب میں کوئی بیس "علوم صوفیہ" گنائے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ایک "علم النفس" ہے اس کے بارے میں لکھتے ہیں:- "علم النفس، نفس شناسی اور اخلاق نفس کا علم بھی اہم ہیں۔ علم النفس اور علم نفس شناسی اہل تصوف کے نزدیک بہت اہم ہے، جو اس سے زیادہ واقف ہوگا، وہ سیدھی راہ دیکھ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کی انواع و اقسام کا علم، نفسیاتی خواہشوں کی باریکیوں یا مخفی شہوات نفسانیہ کا علم بھی (ان علوم صوفیہ میں سے ہے)

صوفیائے کرام کے علوم دنیا کی محبت کے ساتھ ساتھ نہیں حاصل کئے جا سکتے ہیں، بلکہ ان کا انکشاف اسی وقت ہوتا ہے، جب نفسانی خواہشوں کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ اس طرح ان کی تعلیم زہد و تقویٰ کے مدرسے میں ہوتی ہے۔

عالم و صوفی میں فرق — ایک عالم ایک محفل میں شریک ہوا۔ وہاں وہ اس امتیازی مسند پر

بیٹھ گیا، جہاں وہ اپنے خیال وعقیدہ کے مطابق اپنے علمی مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے بیٹھا کرتا تھا۔ اس کے ہم جنسوں میں سے ایک اور عالم بھی داخل ہوا۔ اور وہ اس سے اوپر کے درجے پر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر پہلا عالم بہت گھبرایا۔ اور دنیا اس پر تاریک ہوگئی۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اس شخص پر حملہ کردیتا۔ مگر ایک درویش عالم کی مثال دوسری ہے وہ دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں کوئی امتیازی شان نہیں قائم کرتا۔ نہ اپنے آپ کو کسی محفل میں ممتاز مسند کے قابل سمجھتا ہے۔

ہمارے شیخ ضیاء الدین ابواحمد عبدالوہاب بن علی نے اپنے مشائخ کی اسناد سے ترمذی کی یہ حدیث حضرت انس بن مالک کی روایت سے بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے میرے فرزند! اگر تمہارے لئے ممکن ہو کہ تم صبح وشام اس طرح زندگی گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف کھوٹ نہ ہو، تو ایسا ضرور کرو"۔ پھر فرمایا۔ "یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔"... اس سلسلے میں صوفیائے کرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اس سنت کو زندہ کیا۔ کیونکہ کھوٹ اور کینہ سے ان کے سینے پاک ہیں اور ان کی جوہر شناسی اور پرکھنے کا یہی سب سے بڑا معیار ہے۔

ہمارے شیخ نے ... حضرت ابوسعید الخراز کا یہ قول بیان فرمایا ہے "وہ باطن جو ظاہر کے خلاف ہو مردود ہے"۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے تھے "ہمارا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ملا ہوا ہے" ابو محمد الجریری سے تصوف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا "تصوف اعلیٰ اخلاق کو اختیار کرنا اور پست اخلاق سے پرہیز کا نام ہے"

صوفی کی وجہ تسمیہ ۔۔ شیخ ابوزرعہ طاہر بن محمد بن طاہر نے اپنے مشائخ کی اسناد سے حضرت انس بن مالک کی یہ حدیث ہم سے بیان کی ہے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی دعوت قبول فرماتے تھے گدھے کی سواری کرتے تھے۔ اور اُون پہنتے تھے۔ اس حدیث کی بنا پر ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ انہیں صوفیہ کا نام ان کے ظاہری لباس پر دیا گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے صوف (اون) کا لباس پہننا پسند کیا۔ ...... یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ صوفی کی نسبت صُفّہ سے ہے، جو رسول اللہ کے زمانے میں غریب مہاجروں

کا ایک چبوترہ تھا۔ اگرچہ لفظی اشتقاق کے لحاظ سے یہ وجہ تسمیہ درست نہیں مگر مفہوم کے لحاظ سے صحیح ہے کیونکہ صوفیہ کا حال ان کے مشابہ ہے۔۔۔۔ بہرحال یہ واقعہ ہے کہ یہ نام رسول اللہ کے زمانے میں نہیں رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تابعین کے زمانہ میں رکھا گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ نام دوسو ہجری تک مشہور نہ ہوسکا۔

جب عہد رسالت کو کافی عرصہ گزر گیا اور آسمانی وحی اور نور مصطفوی کو پوشیدہ ہوئے ایک زمانہ ہوگیا، تو اس وقت خیالات میں اختلاف ہونے لگا اور لوگوں کے راستے جدا ہوگئے اور ہر اہل رائے اپنی رائے میں آزاد ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نفسانی خواہشوں نے بھی علمی فضا کو مکدر کردیا۔۔۔۔ ایسے زمانے میں ایک جماعت دنیا سے الگ ہوکر نیک کاموں میں مشغول ہوگئی۔ ان کے عزائم میں خلوص اور دین کی طاقت تھی۔ انہوں نے دنیا اور اس کی محبت سے منہ موڑا۔ تنہائی اور گوشہ نشینی کو غنیمت جانا۔ اپنی جماعت کے لئے کچھ زاویئے بنائے۔ جہاں کبھی کبھی جمع ہوجاتے تھے۔ مگر اہل صفہ کی تقلید کرتے ہوئے اکثر تنہا رہتے تھے۔ دنیاوی اسباب کو انہوں نے چھوڑ رکھا تھا۔ اور رب الارباب کی طرف لو لگائی تھی۔ ان کے نیک اعمال نے بلند احوال کی صورت میں اچھا ثمرہ دیا، ان کا دماغ اور ان کی قوت ادراک صاف ہوکر علوم الٰہی کو قبول کرنے کے قابل ہوگئی۔ اس طرح ان کو ظاہری زبان کے بعد ایک دوسری زبان ملی اور گزشتہ عرفان کے بعد ایک نیا عرفان کامل حاصل ہوا، بلکہ سابقہ ایمان کے بعد ایک تازہ ایمان حاصل ہوا۔۔۔۔ ان مراتب تک پہنچنے کے بعد وہ نئے علوم سے واقف ہوئے، جن کے لئے نئے نئے اشارے کرنے پڑے۔ اس لئے انہیں نئی نئی اصطلاحات وضع کرنی پڑیں جو ان کے حال اور وجدانی کیفیات کو ظاہر کرسکیں۔۔۔۔ ان بزرگان سلف سے ان کے جانشینوں نے یہ علم حاصل کیا۔ یہاں تک کہ ہر زمانے میں اس نے ایک باقاعدہ اور مستقل علم اور رسوم کی صورت اختیار کرلی۔ چنانچہ صوفی کا نام بھی ان میں رائج ہوگیا۔

ایک گمراہ جماعت نے اپنے آپ کو ملامتیہ کا نام دے کر صوفیوں کا لباس پہن رکھا ہے تاکہ وہ بھی صوفی کہلائے جائیں حالانکہ ان کا صوفیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ دھوکے اور غلطی میں مبتلا ہوکر ان کا لباس اختیار کئے ہوئے ہیں۔۔۔۔ وہ حقیقت جو شریعت کے خلاف ہو، بے دینی اور جہالت ہے۔

یہ فریب خوردہ حضرات اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ شریعت حق بندگی ہے اور بندگی کی اصل حقیقت ہے .... ان گمراہوں میں سے ایک جماعت وہ ہے، جو حلول کی قائل ہے ... انہیں یہ اشارے بعض ان صوفیہ کے کلمات سے ملے ہیں، جو انہوں نے اپنے روحانی جذبے کی شدت میں کہے تھے جیسا کہ منصور الحلاج نے انا الحق کہا تھا۔ اور حضرت ابویزید بسطامی سے سُبحانی (میں پاک ہوں) منقول ہے ہم حضرت ابویزید کے متعلق یہ تصور نہیں کرسکتے کہ انہوں نے یہ کلمات اپنے بارے میں کہے ہوں گے ... اسی طرح منصور الحلاج کے قول کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ تاہم اگر ہمیں یہ یقین ہوجائے کہ اس قسم کے اقوال کے ذکر کرنے سے یہی مراد ہے کہ خدا ان میں حلول کر گیا، تو ہم اس قول کو قطعی طور پر رد کردیں گے۔ کیونکہ رسول اکرمؐ ہمارے سامنے ایک ایسی واضح اور کھلی شریعت لائے ہیں، جس کے ذریعہ ہر کج رو کو سیدھا کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں ہماری عقل ہمیں یہ صحیح رہنمائی کرتی ہے کہ کس طرح خدا کی صفات کو بیان کرنا جائز ہے اور کس طرح ناجائز ہے۔ بلکہ خدا اس بات سے پاک و صاف ہے کہ کوئی شے اس میں حلول کرے یا وہ کسی شے میں حلول کرے۔

باطنی الہامات ۔ ممکن ہے کہ ان فریب خوردہ اور گمراہ حضرات میں سے کسی فرد .... نے باطنی طور پر چند کلمات سُن لئے ہوں پھر وہ اپنی قوت فکر سے ان کلمات کو ترتیب دے کر اسے خدا کی طرف منسوب کردے ..... مگر یہ سب گمراہی ہے۔ اسے اس دعویٰ کی جرأت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس نے بعض اہل حقیقت سے وہ کلمات سُنے ہوں، جو انہیں ظاہری اور باطنی طویل واردات کے بعد حاصل ہوئے تھے۔ مگر اس سے پہلے وہ اپنی جماعت کے اصولوں کے مطابق زہد و تقویٰ کے پابند رہ چکے تھے۔ اس لئے جب ان کا باطن صاف ہوا تو ان کے اندر کتاب و سنت کے مطابق الہامات باطنی استغراق کے موقع پر نازل ہوتے تھے۔ وہ ایسا کلام نہیں بولتے، جسے سنا جاسکے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ دل ہی دل میں باتیں کی جارہی ہیں۔ یہ الہامات کتاب اور سنت کے علم کے موافق ہوتے تھے۔ اہل علم بھی اسے سمجھ سکتے ہیں۔ یہ دراصل ان کی باطنی مناجات ہے۔ اس طرح وہ اپنے لئے مقام بندگی اور اپنے مولا کے لئے مقام ربوبیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور اس کے بعد وہ اس میں برابر اضافہ کرتے رہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایک

فانی علم ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن پر نمودار کیا ہے اس لئے ہوش مند صوفیہ کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ اپنے نفوس کے ہر فعل میں خدا کی طرف فرارڈ ہونڈتے ہیں۔ اور جب نفسانی خواہشوں سے ان کا میلان صاف ہو جاتا ہے تو ان کے باطن میں کچھ الہامات ہونے لگتے ہیں، جنہیں وہ اللہ کی طرف اس حیثیت سے منسوب کرتے ہیں کہ وہ ان افعال کا خالق ہے، نہ یہ کہ وہ متکلم کا کلام ہے۔ اس لئے وہ تحریف اور کجروی سے محفوظ رہتے ہیں۔

مشائخ کا مرتبہ — حدیث شریف میں منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ خدا کو وہی افراد محبوب ہیں، جو اس کے بندوں میں خدا کی محبت پیدا کرتے ہیں۔ اور انہیں خدا کا محبوب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ روئے زمین پر ہر شخص کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ گامزن ہیں۔ مذکورہ حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے، وہ مشائخ کا مرتبہ ہے۔ وہ خدا کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور در حقیقت خدا کے بندوں میں خدا کی محبت کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ خدا بھی ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اسی بنا پر طریقۂ صوفیہ میں شیخ کا مرتبہ ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ بلکہ وہ خدائی دعوت کے سلسلے میں پیغمبروں کی قائم مقامی کرتے ہیں۔ شیخ اپنے مرید میں خدائی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کی اتباع کے راستے پر لگا دیتا ہے۔ چنانچہ جو صحیح طریقہ سے آپؐ کی اتباع کرے، اس سے خدا بھی محبت کرے گا شیخ بندوں کو خدا کا پیارا اس طرح بناتا ہے کہ وہ مرید کو تزکیۂ نفس کے طریقہ پر چلاتا ہے۔۔۔

اہل صفہ اور اہل خانقاہ —۔۔۔ اس قسم کے آداب خانقاہ کے صوفیہ کا روزانہ کا معمول ہے۔ وہ ہر وقت اپنی خانقاہ میں رہتے اور اس کی خبر گیری کرتے ہیں۔ کیونکہ خانقاہ ان کا گھر اور خیمہ ہے ہر جماعت کا کوئی نہ کوئی گھر ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیہ کا گھر ان کی خانقاہ ہے، اسی وجہ سے وہ اہل صفہ سے مشابہ ہیں۔ اہل خانقاہ میں بہت ربط وضبط ہوتا ہے وہ محض ایک مقصد ایک ہی عزم اور مشترکہ حالات کے ماتحت متفق ہو کر کام کرتے ہیں۔

صوفیہ اور ازدواجی زندگی — مجرد رہنا درویش کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اس سے اس کے

خیالات میں یکسوئی اور جمعیت خاطر رہتی ہے ۔ اور اس کی زندگی خوشگوار ہوتی ہے ۔ لہذا ابتدائی زمانے میں درویش کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ تمام تعلقات کو قطع کرے اور تمام رکاوٹوں کو دور کرکے سفر اختیار کرے اور خطرات برداشت کرے ۔ اسے ظاہری اسباب سے الگ تھلگ رہ کر تمام حجابات کو اپنے سامنے سے ہٹانا چاہیئے۔ اس کے برخلاف ازدواجی زندگی سے روحانی عزم و ارادہ کے بجائے پستی آجاتی ہے ۔ اور بے فکری کی زندگی کے بجائے پریشانی لاحق ہوتی ہے ۔ بلکہ انسان اہل و عیال میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے ۔ کجروی کے مشتبہ مقامات کے اردگرد گردش کرتا ہے ۔ ترک دنیا کے بعد دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے اور اپنے مزاج اور عادت کے مطابق نفسانی خواہش کی طرف راغب ہوتا ہے ۔

حضرت معاذ بن جبل کا قول ہے کہ ہم سختی اور تنگ دستی میں مبتلا ہوئے تو ہم نے صبر کیا ۔ مگر جب ہمیں خوشحالی میں آزمایا گیا تو ہم صبر نہ کر سکے ۔ مجھے جن فتنوں کا اندیشہ ہے ، ان میں سب سے زیادہ خطرناک عورتوں کا ہے ، جب کہ وہ سونے کے کنگن شام کی ریشمی چادریں اور یمن کے سرخ سنجاب کا لباس پہن کر دولت مندوں کو عاجز کر دیں گی اور فقیروں کو وہ چیز مہیا کرنے پر مجبور کریں گی ، جو وہ حاصل نہیں کر سکتے ۔

بہر حال کامل بندگانِ خدا کی روحانیت نکاح سے ترقی پذیر ہوتی ہے ۔ اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ وہ علم کامل حاصل کرنے کے بعد مختلف اشیاء کے فوائد اخذ کر لیتے ہیں ، مگر ان کی برائی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں "مجھے بیوی کی اتنی ضرورت ہے جتنی کھانے کی ضرورت ہے"

اخلاق رسول ؐ — حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں :- "میں نے رسول اکرم ؐ کو یہ فرماتے سنا کہ کوئی چیز جو حساب کے ترازو میں رکھی جائے گی ، حسن اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں ۔ اور ایک خوش اخلاق انسان خوش اخلاقی کی بدولت روزے نماز والے انسان کے درجے تک پہنچ جاتا ہے "

آپ ؐ کے اخلاق کا یہ حال تھا کہ آپ ؐ سب سے زیادہ سخی تھے ۔ آپ ؐ کے پاس کوئی درہم و دینار باقی نہیں رہتا تھا ۔ اگر کوئی رقم بچ جاتی اور آپ ؐ کو کوئی آدمی ایسا نہ ملتا جسے آپ ؐ وہ رقم دے سکیں اور رات ہو جاتی ، تو آپ ؐ اس وقت تک گھر جا کر آرام نہیں فرماتے تھے ، جب تک کہ اسے خرچ نہ کر لیتے تھے ۔ آپ ؐ دنیا کو نہیں حاصل کرتے تھے ۔ آپ کی غذا وہ تھی ، جو آسانی سے میسر ہو سکے ۔ یعنی چھوارے اور جو آپ کی عام غذا تھی ۔

اس کے علاوہ اور کوئی چیز ہوتی تو اسے خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ اگر آپ سے کوئی مانگتا تھا تو فوراً اس کا سوال پورا کرتے تھے۔ اس کے بعد اپنی عام غذا پر قناعت کرتے تھے۔ آپ جوتے گانٹھ لیتے۔ کپڑوں پر پیوند لگا لیتے تھے۔ گھر والوں کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ سب سے زیادہ حیادار اور متواضع تھے۔

تواضع — صوفیہ کا بہترین اخلاق تواضع ہے۔ تواضع سے افضل بندگی کا کوئی لباس نہیں۔ جو تواضع کا خزانہ حاصل کرتا ہے، وہ ہر شخص کے سامنے اپنی اصل حیثیت کو قائم رکھتا ہے۔ اور خود بھی ہر ایک کو اس کے صحیح رتبے پر برقرار رکھتا ہے۔ جسے یہ چیز حاصل ہوئی، وہ خود بھی آرام سے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی آرام پہنچاتا رہتا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "اللہ تعالےٰ نے میری طرف یہ وحی نازل فرمائی "تم تواضع کرو اور کوئی شخص ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔"

آپؐ کی تواضع یہ تھی کہ آزاد اور غلام کی دعوت اور ان کا تحفہ قبول فرماتے تھے، خواہ دودھ کا گھونٹ اور خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہو۔ آپؐ اس کا صلہ بھی دیتے تھے اور خود بھی کھاتے تھے۔ کسی کنیز یا غریب کو جواب دینے میں غرور نہیں کرتے تھے۔

حضرت شعیب کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔

"تواضع کی بنیاد یہ ہے کہ جس سے ملو، اسے پہلے سلام کرو اور جو تمہیں سلام کرے اس کا جواب دو محفل میں کم درجہ کی نشست کو پسند کرو اور یہ نہ چاہو کہ کوئی تمہاری تعریف و توصیف کرے یا تم پر احسان کرے"

"وہ شخص کتنا اچھا ہے جو اپنی کوتاہی یا برائی کے بغیر تواضع اختیار کرے اور محتاجی کے بغیر اپنے آپ کو عاجز سمجھے۔"

ایک دفعہ میں اپنے شیخ ابوالنجیب ضیاء الدین سہروردی کے ساتھ شام کے سفر میں تھا۔ کچھ دنیا داروں نے فرنگی قیدیوں کو (جو صلیبی جنگ میں قید ہو گئے تھے) بیڑیوں میں جکڑ کر اور ان کے سروں پر کھانا رکھوا کر ہمارے پاس بھیجا۔ جب دسترخوان بچھایا گیا تو قیدی برتنوں کے خالی ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ اس وقت شیخ محترم نے خادم کو حکم دیا کہ قیدیوں کو لایا جائے تاکہ وہ بھی ان درویشوں کے